ڈاکٹر محمد ریاض

علامہ تفضل حسین کشمیری

تفضل حسین خان کشمیری کو تذکرہ نگاروں اور مورخوں نے "مولوی" اور "خان علامہ" کے القاب سے یاد کیا ہے۔ آپ کا آبائی تعلق وادی کشمیر سے تھا۔ اسی لیے "کشمیری" کہلاتے رہے۔ حالانکہ ان کی ولادت پنجاب کے مردم خیز خطے سیالکوٹ میں ہوئی۔ لاہور میں ہوش سنبھالا۔ دہلی، لکھنؤ اور بنارس میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اور نواحِ کلکتہ میں مدفون ہوئے۔ کشمیر میں شاید ہی کبھی قیام کیا ہو۔

علامہ تفضل حسین کشمیری کے والد کا نام کرام اللہ خان تھا۔ وہ کئی برس تک لاہور کے صوبہ دار رہے۔ پھر نواب معین الملک عرف میر منو کے وکیل بنے اور سکہ رائج الوقت کے مطابق سالانہ ۳ لاکھ روپے تنخواہ لیتے رہے[۲]۔ کرام اللہ خان اور ان کے آباو اجداد سب حنفی تھے علامہ تفضل طالب علمی کے زمانہ میں از خود شیعہ ہو گئے[۳]۔ مرزا محمد علی نے "نجوم السمأ فی تراجم العلماء" میں تصریح کی ہے[۴] کہ وہ عقاید کے اعتبار سے غالی شیعہ تھے۔ اس کے باوجود عملی زندگی اور اپنی تصانیف میں فرقہ وارانہ تعصب کی آپ نے کوئی بات نہ کی۔ ان کی تمام تر توجہ علوم معقول و منقول اور زبان شناسی پر منعطف رہی۔ امارت و اوارت کار سے کبھی انھیں برائے نام ہی نسبت رہی۔ ابتدائی زندگی کی مناظرہ بازیوں کے بعد وہ ساکت و صامت ہی رہے اور پرسکون زندگی بسر کی۔

علامہ تفضل کی ابتدائی تعلیم لاہور میں ہوئی۔ اس کے بعد وہ دہلی چلے گئے اور وہاں مولوی وجیہہ (ملا نظام الدین سہالوی کے شاگرد) اور مرزا محمد علی بن مرزا خیر اللہ مہندس سے بالترتیب معقول و منقول اور علوم ریاضی پڑھے۔ وہاں سے فرنگی محل لکھنؤ گئے اور ملا حسن سے استفادہ کیا۔ مگر ان

---

[۱] تاریخ اودھ ج ۳ مؤلفہ محمد نجم الغنی خان رام پوری، لکھنؤ ۱۹۱۹ء

[۲] غلام علی: عماد السعادت ص ۱۵۶ [۳] مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۸۵ء

کی دِقتِ طبع نے استاد کو جلد ہی ناراض کر دیا۔ چنانچہ استاد نے ان کی تلخ کلامی اور درس میں سوالات کی بوچھاڑ کے پیشِ نظر کلاس میں ان کا آنا ممنوع قرار دے دیا۔ اب تفضل حسین قدما اور متاخرین کی کتب کا خود مطالعہ کرنے لگے۔ شیخ الرئیس ابن سینا کی کتاب الشفا پڑھ کر انھیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا عربی اور فارسی کی کوئی کتاب ان کے لیے قابلِ استفادہ نہیں رہی۔ پھر بھی انھوں نے بنارس کا رُخ کیا اور وہاں کے مشہور شاعر اور حکیم شیخ علی حزین لاہیجی (م ۱۱۸۱ھ) سے فلسفہ و حکمت کی تعلیم حاصل کی[۱]۔

خان علامہ یوں تو بحث و تمحیص کے عادی نہ تھے مگر معاصر علما و فضلا کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اور جس کسی نے ان سے مناظرہ کیا وہ ان کے تبحرِ علمی کا قائل ہو گیا۔ اس قسم کا ایک مناظرہ مولوی غلام حسین دکنی (مولوی برکت اللہ الٰہ آبادی کے شاگرد) نے مجتہد العصر مولانا سید دلدار علی (م ۱۸۱۹ء) کے توسط سے کیا اور منطقی بحثوں میں ششدر رہ گئے اور خان علامہ کا علمی تفضل ماننے پر مجبور ہو گئے۔

زبان دانی

علامہ تفضل حسین خان عربی، فارسی، لاطینی، انگریزی اور (چند روایات کے مطابق) یونانی زبان بخوبی جانتے تھے۔ ریاضیات اور مروجہ سائنسی علوم و فنون سے انھیں بغایت دلچسپی تھی اور السنہ شناس ہونے کی بنا پر نئی تحقیقات کا انھیں علم تھا۔ اہلِ یورپ ان کی اہلیت کے قدردان تھے اور انھیں ضروری کتب فراہم کرتے تھے۔ غالباً اسی بنا پر انھوں نے یونانی اور یورپی کتب میں سے متعدد عربی میں ترجمہ کیں اور مشرقی علوم و فنون پر زیادہ توجہ مبذول نہیں کی۔

سفارت اور نیابت

خان علامہ امیر زادے تھے اور مال و دولت کی فراوانی سے بہرہ مند تھے۔ مگر انھیں تو لکھنے پڑھنے سے غرض تھی۔ اربابِ حکومت کو ان کی قابلیت سے انتظامی امور میں استفادہ کرنا تھا۔ نواب اودھ آصف الدولہ نے انھیں ۱۷۷۴ء میں اپنی ملازمت میں لیا۔ وہ کلکتہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب اودھ کے مابین امور کی انجام دہی کے لیے سفارت کے عہدے پر فائز رہے۔ دس سال کے بعد انھیں لکھنؤ بلایا گیا اور نواب آصف الدولہ کے وکیل بنائے گئے۔ مجتہد العصر مولانا سید دلدار علی

---

[۱] قیصر التواریخ (اردو ترجمہ) ج ۱ صفحہ ۳۷۵

سے خان علامہ کی گہری دوستی تھی۔ وہ اکثر الہ آباد سے لکھنؤ آتے، خان علامہ کے امور وکالت انجام دیتے اور انھیں مطالعہ وتحقیق میں مصروف رہنے کے لیے کہتے۔ کچھ عرصے کے بعد نواب آصف الدولہ نے علامہ کو اپنا نائب مقرر کر دیا۔ انھوں نے نیابت کے دوران بھی اپنی روش تبدیل نہ کی۔ درس وتدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔ قبل از ظہر فقہ جعفری (امامیہ) کی تعلیم دیتے اور بعد از ظہر فقہ حنفی کی۔ ان کے درس کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ شاہ عالم کے وزیر، نواب فرید الدولہ دہلی سے لکھنؤ گئے اور مہینوں وہاں رہ کر خان علامہ سے علم نجوم اور ریاضیات کی تعلیم حاصل کی۔ علامہ کے معروف شاگردوں میں ایک مفتی علی کبیر مچھلی شہری (م ۱۲۶۹ھ) تھے جو کئی سال تک منصب افتا پر فائز رہے۔ مولوی رحمٰن علی[1] نے ان کے علمی کمالات کا ذکر فراخدلانہ انداز میں کیا ہے۔

علامہ بے حد سادہ اور درویش صفت انسان تھے۔ نیابت ریاست کے دوران انھوں نے اپنے ایوان پر کوئی دربان نہ رکھا۔ ہر ملاقاتی اور فریادی بلا ٹوک اور بے جھجک آتا اور انھیں اپنی مشکلات سے آگاہ کرتا۔ نواب آصف الدولہ ان کی یہ روش تبدیل نہ کروا سکے۔ نواب آصف الدولہ کے انتقال کے بعد نواب وزیر علی خان نے مسند سنبھالی مگر جلد ہی ان کو معزول کر دیا گیا۔ علامہ تفضل کو اس معزولی سے چنداں اعتنا نہ تھا البتہ وہ نواب کی طفلک مزاجی پر افسوس کیا کرتے تھے۔ اس لیے نواب وزیر علی[2] خاں کے حامی کسی معاصر شاعر نے علامہ تفضل کو "فتنہ پرداز ملحد کشمیر" اور "آن مردک بے حیا تفضل" جیسے خطابات دیئے ہیں۔

نواب سعادت علی خان، علامہ کا بے حد احترام کرتا تھا۔ اس کے باوجود نواب موصوف کی مسند نشینی کے بعد وہ نیابت سے مستعفی ہو کر کلکتہ چلے گئے اور تصنیف وتالیف کے کاموں میں لگ گئے۔

علامہ تفضل حسین کی تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے متوسط عمر پائی تھی۔ بدامنی، جنگ وجدل اور ریاستی سازشی ماحول نے انھیں زیادہ کام نہیں کرنے دیا اور جلد ہی دور پیری میں داخل کر دیا۔ ان کے دور حیات میں برصغیر کے مسلمانوں پر کئی حوادث آئے جن میں نواب سراج الدولہ، سلطان حیدر علی اور سلطان فتح علی ٹیپو شہید کی وہ مساعی قابل ذکر ہیں جو غداروں کی بدولت ناکام ہو

۱۔ تذکرہ علمائے ہند
۲۔ تبصیر التواریخ ج ۱ ص ۳۷۶-۳۷۷

گئیں اور ممکن ہے کہ خان علامہ جیسے حساس شخص نے ان باتوں کا بھی اثر لیا ہو۔ بہر حال ۱۷۹۹ء میں ان پر کلکتہ میں فالج کا شدید حملہ ہوا اور اگرچہ وہ جانبر ہو گئے مگر صحت سنبھلنے نہ پائی۔ کوئی دو سال بعد وہ آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے لکھنؤ کی طرف روانہ ہوئے مگر معاً فالج کا حملہ ہوا اور وہ ۱۸ شوال ۱۲۱۵ھ یکم مارچ ۱۸۰۱ء کو انتقال فرما گئے۔ ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی مرحوم نے لکھا ہے[۱] کہ نواب سید محمد علی خان نے انگریزی زبان میں ان کے مفصل حالاتِ زندگی لکھے تھے جو جداگانہ چھپنے کے علاوہ جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے ۱۸۰۴ء کے کسی شمارے میں چھپے تھے، مگر افسوس کہ ہمیں یہ مآخذ فی الحال مل نہ سکے۔

تصانیف

خان علامہ نے ایلونیوس، دیوبال اور سمسن کے "مخروطات" کی شروح لکھیں۔ ایک کتاب یورپ کے علم ہیئت پر لکھی اور جبر و مقابلہ کے موضوع پر دو رسالے مرقوم فرمائے۔ طبیعیات پر بھی آپ نے ایک کتاب لکھی تھی۔ یہ ہفت گانہ کتب[۲] درسی ضروریات کی خاطر شامل نصاب رہیں۔ مگر چونکہ ان علوم میں جلد ہی تغیرات اور تبدیلیاں آنے لگیں، خصوصاً ترتیب میں، اس لیے یہ دقیق تصانیف گوشۂ گمنامی میں جانے لگیں۔ برصغیر میں عربی اور فارسی زبانوں کا زوال بھی ایسی کتب کی گم نامی کا ایک اہم سبب ہے۔ مشہور ہے کہ علامہ تفضل نے مشہور سائنس دان نیوٹن (م ۱۷۲۷ء) کی لاطینی کتاب طبیعیات[۳] و ریاضیات کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ مگر اس ترجمے کی پوری کیفیت کا ہمیں علم نہیں۔

علامہ تفضل حسین خان کشمیری کے بارے میں ہمیں معتبر مآخذ سے اتنا کچھ ہی معلوم ہو سکا ہے اور بقولِ غالب:

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

۱؎ کشمیر (انگریزی) جلد دوم ص ۳۸۲ - ۳۸۳

۲؎ نزہتہ الخواطر ..... جلد ۷

۳؎ یعنی PHILOSOPHIAC NATURALIS PRINCIPIA MATH--EMATICA.